غلام احمد پرویز کا قرآن سے استدلال
(تعیینِ معنی کے تناظر میں تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ)

حافظ محمد شہباز حسن *

یہ نعرہ کہ ---- ''قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرنی چاہیے'' ---- جملہ منکرینِ حدیث کا متفقہ نعرہ ہے۔ اور جناب غلام احمد پرویز کے متعلق ان کے فکری ہم نوا یہی کہا کرتے ہیں کہ انہوں نے 'تفسیر مطالب الفرقان' کو اسی انداز میں تصنیف کیا ہے۔ دورانِ تفسیر انھوں نے محاورۂ عرب اور تصریفِ آیات کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے محاورۂ عرب کا نام لے کر مغرب کی فکری اسیری اور ذہنی غلامی میں مبتلا ہو کر قرآنی مفردات میں خود ساختہ مفاہیم داخل کیے ہیں۔ اور تصریفِ آیات کی آڑ میں تحریفِ آیات کا دم بھرا ہے۔قرآنی الفاظ و اصطلاحات میں شارع کے مفاہیم و معانی کو نظرانداز کر کے اپنے خودساختہ مدلولات کو ٹھونسا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے پرویز صاحب کے چند اہم تحریفی معانی کو زیرِ بحث لاتے ہوئے، الفاظ کے قرآنی استعمالات کی روشنی میں ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا ہے۔ اگرچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی جملہ تحریفات اور اصطلاحی انحرافات کو بے نقاب کیا جائے۔ (مدیر)

قدیم و جدید جملہ منکرین حدیث کا دعویٰ ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعے سے کرتے ہیں،قرآن سے تفسیر کرنے کو وہ تصریف الآیات کا نام دیتے ہیں، چنانچہ ان کے ایک علمبردار خواجہ ازہر عباس پرویز کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''نامور مفکر قرآن، علامہ غلام احمد صاحب پرویز نے اسی طرح کی تفسیر کا سلسلہ جاری رکھا، انہوں نے محاورۂ عرب کے تحت نئی لغات القرآن تصنیف کی اور تصریف الآیات کے لیے تبویب القرآن شائع کی۔'' (۱)

اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں:

> ''جب کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں اور قرآن کریم میں وہ لفظ مختلف آیات میں آیا ہو تو قرآنی طالب علم کے لیے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس آیت میں' اس لفظ کے متعدد معانی میں سے کون

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور پاکستان۔

سا معنی زیادہ موزوں ہے، اس لیے قرآن کے دیگر مقامات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا۔ اس طریق سے جن معانی کو ترجیح دی جائے گی وہ قرآنی مفکر کا فکری اجتہاد ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی بڑے سے بڑے مفکر کا فکری اجتہاد بھی نہ وحی خداوندی کی طرح حرف آخر ہوسکتا ہے اور نہ غیر متبدل۔ دوسرے تو ایک طرف وہ خود بھی مزید غور وفکر سے اپنے سابقہ فکری استنباط میں تبدیلی کرسکتا ہے بشرطیکہ اس کی تائید لغت اور قرآن کی کلی تعلیم سے ہوتی ہو۔'' (۲)

پرویز ''تصریف آیات'' کے ذریعے بعض آیات کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جس کو تفسیر کی بجائے تحریف کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ان کے ہاں سیاق وسباق عملاً کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا'' کا مقولہ پرویز کی ''تفسیر'' پر صادق آتا ہے۔ القران یفسر بعضه بعضا کے اصول کا بعض مفسرین نے مرعیٰ نہیں رکھا۔ غلام احمد پرویز بھی صرف ایک ایک آیت کو بحث وتفسیر کے لیے چنتے ہیں اور مجموعی تاثر سے الگ کرکے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایسے بعض مفسرین الفاظ قرآنیہ کی بھی پاسداری نہیں کرتے۔ اگر کسی قرآنی لفظ کا معنی دوسرے مقام پر متعین بھی کردیا گیا ہو لیکن اس سے ان کے مخصوص نظریات ومعتقدات پر زد پڑتی ہو تو اس سے صرف نظر کرلیتے ہیں۔ جیسا کہ غلام احمد پرویز نے معجزات کے سلسلے میں کیا ہے۔ ایسے مباحث میں انہوں نے الفاظِ قرآنیہ کی مطلقاً پیروی نہیں کی۔ اس ''کلی تعلیم'' کو بھی عملاً انہوں نے نظر انداز کردیا ہے۔

تصریف آیات سے تفسیر کرنے کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود عمل کا معاملہ انتہائی کمزور ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں، مثلاً استغفار اور اسحار کا ''قرآنی مفہوم'' بیان کرتے ہوئے پرویز لکھتے ہیں: استغفار کے معنی ہوتے ہیں: حفاظت چاہنا، سحر کے معنی ہوتا ہے: کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت۔ اسی استغفار اور اسحار وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (۳) کی وضاحت کچھ آگے چل کر یوں کرتے ہیں:

> قرآن تو کہتا ہے کہ وہ پروگرام شروع کرنے سے پیشتر ہی حفاظت کے سامان کے متعلق سوچ لیتے ہیں کہ کس کس قسم کے خطرات ومشکلات کا امکان ہے اور اس کے لیے کیا کرنا چاہیے یہ پوچھیے ان نبرد آزماؤں سے، جنہوں نے اس کے بعد جنگ کرنا ہوتی ہے کہ وہ میدان میں جانے سے پیشتر اپنے ہاں کیا کیا سوچتے ہیں اور اس میں سب سے بڑی سوچ یہ ہوتی ہے کہ دشمن سے بچنے کی کیا کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ پہلی سوچ یہ ہوتی ہے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (۳:۱۷) یہ ہے وہ جو یہاں قرآن الفجر ہے۔ اب اس کے بعد آیا ہے بالاسحار۔ یہ وہ چیز ہے جو پروگرام شروع کرنے سے پہلے سوچ لیا جائے کہ خطرات ومشکلات کے کیا کیا امکانات ہیں اور خاص طور پر یہ کہ ان

خطرات سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔''(۴)

استغفار اور سحر کا مذکورہ بالا معنی و مفہوم کئی اعتبار سے غلط ہے:

اول

اس مفہوم کو خود پرویز صاحب نے بھی کئے مقامات پر ترک کردیا ہے۔ اس کا مفہوم تو انہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ کسی پروگرام کے شروع کرنے کے وقت حفاظت چاہنا۔ مگر زور سارا اس پر صرف کردیا کہ ''پروگرام شروع کرنے سے پہلے سوچ لیا جائے کہ خطرات و مشکلات کے کیا کیا امکانات ہیں۔''

دوم

سحر کا معنی اگر ''کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت'' ہو تو اس کا مطلب تو یہ نکلے گا کہ دن کے وقت کوئی پروگرام شروع کیا ہی نہیں جاسکتا، اگر کیا جائے تو اس کے لیے سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس کے پیش آمدہ خطرات سے کوئی حفاظت یا بچاؤ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس استغفار کا ذکر رات کے حوالے سے کیا گیا ہے جس کی دلیل تصریف آیات کے اصول کے مطابق مندرجہ ذیل فرمان الٰہی ہے جس میں متقین کی صفات کا بیان ہے:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۵)

''وہ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے اور اوقاتِ سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے۔''

قرآنی الفاظ قُمِ الَّيْلَ (٦) ،نَاشِئَةَ الَّيْلِ (٧) ، ثُلُثَيِ الَّيْلِ (٨) ، وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ (٩) ، اور وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ (١٠) سے سحر کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ سحر کا تعلق دن کے ساتھ نہیں بلکہ رات کے ساتھ ہے۔

سوم

استغفار اور سحر کا معنی قرآن سے متعین نہیں کیا گیا۔ پرویز کا بیان کردہ معنی و مفہوم قرآن کی روشنی میں بھی غلط قرار پاتا ہے۔ پرویز نے استغفار کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی روشنی میں مندرجہ ذیل آیات کا مفہوم یوں بنتا ہے:

وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ (۱۱)

اور تو اپنے گناہ کی ''حفاظت طلب کر۔''

فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (۱۲)

انہوں نے اپنے گناہوں کی ''حفاظت طلب کی۔''

''طلب کرنے'' کا مفہوم تو باب استفعال کے خاصہ کی وجہ سے ہے اگر استغفار کے دیگر مشتقات کو دیکھا جائے تو بھی پرویز کا مفہومِ استغفار قرآن کے خلاف ہے۔ مثلاً پرویزی مفہوم کے مطابق درج ذیل آیات کا

مطلب کچھ یوں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا(۱۳)

اللہ سب گناہوں کی ''حفاظت کرتا ہے۔''

یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ(۱۴)

وہ تمہارے گناہوں کی ''حفاظت کرے گا۔''

غَافِرِ الذَّنْبِ(۱۵)

گناہ کی ''حفاظت کرنے والا۔''

ادنیٰ سا غور و فکر بھی اگر ان آیات پر کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے پرویز کا مفہومِ استغفار قرآن کی روشنی میں غلط قرار پاتا ہے۔

استغفار کے بارے میں راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''اِسْتِغْفَارٌ کے معنی قول اور عمل سے مغفرت طلب کرنے کے ہیں، لہٰذا آیت کریمہ:**اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا(۱۶)** ''اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والے ہے۔'' میں صرف زبان کے ساتھ مغفرت مانگنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ زبان اور عمل دونوں کے ساتھ معافی طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس بنا پر بعض نے کہا کہ صرف زبان سے بخشش طلب کرنا کذاب آدمیوں کا کام ہے اور یہی معنی آیت کریمہ **ادْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ(۱۷)** ''کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔'' میں **اُدْعُوْنِیْ** کے ہیں، قرآن میں ہے:

اِسْتَغْفِرْلَھُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْلَھُمْ (۱۸) ''ان کے لیے بخشش مانگو یا نہ مانگو۔'' **وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا(۱۹)** ''اور مومنوں کے لیے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔''

اور الغافر و الغفور اسمائے حسنیٰ سے ہیں۔ اور ان کے معنی گناہوں کا بخشنے والا۔ چنانچہ فرمایا:

غَافِرِ الذَّنْبِ۔ جو گناہ بخشنے والا ہے۔(۲۰)

اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ۔ وہ تو بخشنے والا قدردان ہے۔(۲۱)

وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۲۲)

غَفِیْرَۃٌ بمعنی غُفْرَانٌ ہے اسی سے فرمایا:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ...... اے پروردگار (حساب کتاب کے دن) مجھے اور میرے ماں باپ...... کو بخش دیجیو۔(۲۳)

اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْئَتِیْ۔ میرے گناہ بخش دے گا۔(۲۴)

وَاغْفِرْلَنَا۔ اور ہمارے گناہ بخش دے۔(۲۵)

بعض نے کہا ہے کہ اِغْفِرُوْا ھٰذَا الْاَمْرَ بِغَفْرَتِهٖ کے معنی یہ ہیں کہ اس معاملہ کو اس طرح چھپاؤ جس طرح چھپانے کا حق ہے۔ اَلْمِغْفَرُ لوہے کا خود اَلْغِفَارَۃُ اس چیتھڑا کو کہتے ہیں جسے عورت اپنے دوپٹہ کو تیل سے بچانے کے لیے اس کے نیچے سر پر اوڑھ لیتی ہیں۔ نیز غِفَارَۃٌ اس بادل کو کہتے ہیں جو دوسرے بادل پر چھایا ہوا ہو، نیز اس ٹکڑے کو بھی جس سے کمان کے گوشہ کو لپیٹتے ہیں۔''(۲۶)

مگر سیاق وسباق، نظائر قرآنی اور تصریف آیات کے اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مفسرین اور جمہور ائمہ و فقہاء سے مختلف موقف اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک استغفار سے مراد سامان حفاظت طلب کرنا ہے۔ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰھِیْمَ لِاَبِیْهِ(۲۷) کے بارے میں پرویز صاحب یوں لب کشائی کرتے ہیں:

> ''ہمارے ہاں حسب معمول جناب! اس پر فقہ کا ایک مسئلہ چل دیا کہ یہ جو حضرتِ ابراہیم نے اپنے مشرک باپ کے لیے استغفر کا اس طرح سے اظہار کیا تھا یہ مشرکین کے لیے استغفار جائز نہیں۔ استغفار کے معنی دعائے مغفرت کے ہوتے ہیں۔ مغفرت کے معنی ''یا اللہ'' اینوں قیامت اچ بخش دئیں جہنم اچ نا پیجیں (۲۸) اس طرح یوں بات چلی اور یہ آپ کے ہاں کا مسئلہ چلا ہوا ہے۔ سوال کیا تھا؟ یہ ابراہیم کیا سلامتی چاہتا تھا؟ یہ استغفار کیا تھا؟ استغفار کے معنی تو آپ کو معلوم ہیں کہ ''غفرہ'' اس ہیلمٹ یا مغفر کو کہتے ہیں جو سپاہی اپنے سر پہ ڈال لیتا ہے کہ اگر کہیں سے کوئی گولی یا تیر یا پتھر آئے تو سر کا نازک ترین حصہ محفوظ رہے۔ اس کی حفاظت کا جو سامان ہوتا ہے یہ اسے کہتے ہیں۔ اس طرح استغفار کے معنی ہوتے ہیں: سامانِ حفاظت طلب کرنا۔ یہاں کہا ہے کہ ابا جان! آپ تو غصے میں ہیں لیکن میں آپ کے لیے پھر بھی سامانِ حفاظت طلب کرتا رہوں گا۔''(۲۹)

آیت کریمہ سَاَسْتَغْفِرُلَكَ رَبِّیْ(۳۰) میں ''سامان حفاظت طلب کرنا۔'' مراد لینا کئی اعتبار سے غلط ہے۔ ایک تو اس لیے کہ استغفار کے مادہ (Root) کی روشنی میں اس لفظ کا ایک معنی طلب حفاظت ہوسکتا ہے مگر ''سامان'' کا لفظ پرویز صاحب نے اپنی طرف سے بڑھا لیا ہے۔ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰھِیْمَ میں استغفار سے مراد ''دعائے مغفرت'' لینا ہی درست ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اس پر عمل وَاغْفِرْ لِاَبِیْ (۳۱) ''اور میرے باپ کی مغفرت کر دیجیے'' کے الفاظ سے کیا تھا اور یہ استغفار آخرت میں اس کی مغفرت سے متعلق ہی تھا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ(۳۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔

پھر ان کی اس دعائے مغفرت کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اسوہ نہیں بنایا جیسا کہ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰھِیْمَ لِاَبِیْہِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ (۳۳) کے استثناء سے معلوم ہوتا ہے۔اس کا سبب یہ تھا:

﴿وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰھِیْمَ لِاَبِیْہِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَۃٍ وَّ عَدَھَآ اِیَّاہُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗٓ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّاَ مِنْہُ (۳۴)

''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے، لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔''

یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کو مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَ لَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (۳۵)

''نبی اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں، تو ان کے لیے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔''

اگر استغفار سے دنیوی طور پر طلب حفاظت مراد ہوتی تو جہاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا تھا، نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان کو مشرکین کے استغفار سے روک دیا گیا وہاں اس بات کی اجازت نہ ہوتی کہ وہ مشرکین کو پناہ دیں یا ان کی حفاظت کا کوئی سامان کریں۔مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے تو ممانعت فرما دی مگر امان دینے کی اجازت استغفار سے منع کے باوجود باقی رہی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ (۳۶)

اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ (امان) کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سننے لگے پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو۔

کیا یہ حفاظت کا سامان نہیں کیا گیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار سے مراد دعائے مغفرت ہی ہے۔یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے باپ سے سَلٰمٌ عَلَیْكَ (۳۷) کہا تھا۔جس کا مفہوم پرویز نے یہ بیان کیا ہے: خدا تجھے سلامت رکھے۔(۳۸) یا یوں بیان کیا: اللہ کرے کہ تو سلامت رہے۔(۳۹)

جب سلامتی کی دعا ہو چکی تو پھر استغفار کے لفظ سے اسی سلامتی اور سامانِ حفاظت طلب کرنے کی کیا

ضرورت تھی؟ یہی حال لفظ سحر کا ہے۔ سحر کا معنی اگر قرآن سے متعین کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی پروگرام کے شروع کرنے کا وقت نہیں بلکہ رات کا ایک حصہ ہے۔ قرآن مجید کی نص صریح کے مطابق حضرت لوط کی قوم پر عذاب صبح کے وقت آیا تھا۔ عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت لوط اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس بستی سے کوچ کا حکم دے چکا تھا۔ وہ رات کے وقت ہی بستی سے نکل گئے تھے ان کے نکل جانے کے بعد ان کی نافرمان قوم پر عذاب کا کوڑا برس پڑا۔ لوط اور آل لوط کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ (۴۰)

''ہم نے ان کو رات کے پچھلے حصے میں بچالیا۔''

جب کہ قوم کے بارے میں فرمایا:

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ (۴۱)

''اور ان پر صبح سویرے ہی اٹل عذاب آ نازل ہوا۔''

صبح سویرے تو قوم پر عذاب آ گیا حضرت لوط اور اہل ایمان کے وہاں سے نکلنے کا کون سا وقت ہوسکتا تھا؟ یقیناً اس سے پہلے کا وقت ہی ہوسکتا تھا۔ اسے قرآن نے سحر کہا ہے۔ لوط سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (۴۲)

''پس تو کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے نکل۔''

اور قوم کے بارے میں فرمایا:

اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ (۴۳)

''ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔''

پھر ایسا ہی ہوا:

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ (۴۴)

''ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (۴۵)

''فرشتوں نے کہا کہ لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے چلو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر پڑے گی۔ ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے۔''

مذکورہ بالا تمام آیات قرآنیہ سے قرآنی طالب علم بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ سحر کا پرویزی معنی ومفہوم درست نہیں۔

خلاف قرآن اور قرآن سے معنی متعین نہ کرنے کی ایک مثال لفظ بغیا بھی ہے اس کا معنی انہوں نے ''حدود شکن'' کیا ہے۔(۴۶) یہ مفہوم انہوں نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا بیان کیا ہے:

قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا(۴۷)

''وہ کہنے لگے یہ تو تو نے برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی بداطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔''

غلام احمد پرویز اس آیت کی تفسیر درج ذیل بیان کرتے ہیں:

''وہ لوگ، وہ احبار و رھبان، اس سے کہتے کہ اے اخت ہارون! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں نے کبھی ہیکل کے قوانین وضوابط سے سرکشی اختیار کی تھی۔ تم تو ایک شریف، مذہب پرست، پابند شریعت گھرانے کی لڑکی تھیں تم نے کیا کیا، اور اپنے بیٹے کو کس قسم کی تعلیم دلائی؟''(۴۸)

بغیا کا معنی 'ہیکل کے قوانین وضوابط سے سرکشی کرنے والی' خلاف لغت ہونے کے ساتھ ساتھ خود قرآن کے بھی خلاف ہے۔ آیت ما نحن فیھا سے چند ہی آیات قبل یہی لفظ آیا ہے وہاں بغیا کا ''بدکار''''زناکار'' کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ومفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت مریم نے فرمایا تھا:

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا(۴۹)

''میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔''

بغیا کا یہی مفہوم (اس آیت میں) پرویز نے بھی اختیار کیا ہے، لکھتے ہیں:

''حضرت مریم نے کہا کہ میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوسکتا ہے جبکہ صورت یہ ہے کہ میرا نکاح بھی نہیں ہوا اور میں (معاذ اللہ!) حرام کاری کی مرتکب بھی نہیں ہوئی۔''(۵۰)

بغیا کا اصل معنی بدچلن ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید سے متعین ہوتا ہے۔ اس بنیادی معنی ومفہوم کا اقرار خود

پرویز صاحب نے بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

بَغَتِ الْمَرْءَ ۃُ بِغَاءً ا: عورت اپنی حدود عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتکب ہوگئی بَغِیٌّ اور بَغُوٌّ زنا کار عورت کو کہتے ہیں۔ (۵۱) مگر وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا (۱۹:۲۰) میں اس اساسی معنی کو ترک کر دیتے ہیں۔ (۵۲) اور اس کا خود مقرر کردہ معنی و مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ مریم نے رسم خانقاہیت کو توڑ کر متاہل زندگی اختیار کر لی تھی۔ حالانکہ متاہل زندگی گزارنا ہیکل کے قوانین وضوابط کے ہرگز خلاف نہیں تھا، خود پرویز صاحب نے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے حوالے سے تسلیم کیا ہے کہ Nuns کا متاہل زندگی گزارنا خانقاہیت کے ضابطہ کے خلاف نہ تھا۔ لکھتے ہیں:

''عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا اگرچہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا۔'' (۵۳)

جب ایسا کر بھی لیا جاتا تھا تو پھر قوانین ہیکل کی خلاف ورزی کیونکر ہوئی کہ پرویز صاحب کو خلاف قرآن معنی و مفہوم لینے کی ضرورت پیش آئی!

شیطان اور ابلیس کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن جسے شیطان یا ابلیس کہتا ہے، وہ تو انسان کے اپنے ہی سرکش جذبات کا نام ہے۔'' (۵۴)

ابلیس کے بارے میں یہ نقطہ نظر قرآن کی مجموعی تعلیم کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے ابلیس کو ایک علیحدہ مخلوق کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اس کا مادۂ تخلیق بھی جدا بیان کیا ہے۔ نیز انسانی تخلیق سے اس کی تخلیق کو مقدم قرار دیا ہے۔ ابلیس کے بارے میں قرآن مجید کی نص صریح ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ (۵۵)

''وہ جنات میں سے تھا تو وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہوگیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔''

یہاں یہ بھی واضح ہوا کہ ابلیس کی ذریت بھی ہے نیز وہ انسان کے علاوہ اور مخلوق ہے۔ 'جن' کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا وجود انسانوں کی تخلیق سے پہلے بھی تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۵۶)

''اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بے دھوئیں گرم آگ سے پیدا کیا تھا۔''

اورابلیس نے اللہ تعالیٰ پراعتراض ہی اسی بنیاد پر کیا تھا وہ مادہ تخلیق کے اعتبار سے انسان پر فوقیت رکھتا ہے:

قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ (۵۷)

''بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔''

اگر انسان کے علاوہ ابلیس کا علیحدہ وجود نہیں ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیونکر بحث وتکرار کی اور اپنے آپ کو افضل قرار دیا۔ اگر صرف سرکش جذبات کو ابلیس کہا جاتا ہے تو سرکش جذبات کے تکبر کرنے اور سرکشی اختیار کرنے کے چہ معنی دارد؟

جنّ کو اگر سرکش جذبات کا نام دیا جائے تو تصریف آیات اور تفسیر القرآن بالقرآن کے مطابق سرکش جذبات نیک اور مسلمان بھی ہوتے ہیں جبکہ بعض سرکش جذبات بد اور ظالم بھی ہوتے ہیں کیونکہ قرآن مجید جنوں کے بارے میں کہتا ہے:

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنَّا دُوۡنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا (۵۸)

''اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے۔ ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔''

وَاَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَمِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ (۵۹)

''اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں۔''

سرکش جذبات سرکش جذبات ہونے کی حیثیت سے نیک اور فرمانبردار کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو سرکش جذبات کا وجود تو ختم ہو گیا!!! ابلیس یا شیطان سے اگر سرکش جذبات مراد لیے جائیں تو اس طرح قرآن مجید میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کے تضادات سے پاک ہے۔ یہ اسی صورت میں ہی ممکن ہے جب صرف ایک آیت میں ایک لفظ کو دیکھ کر اس کی تفسیر وتاویل کی جرأت نہ کی جائے بلکہ قرآن مجید کی مجموعی تعلیم کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے اور کسی لفظ کا معنی ومراد متعین کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ ایک جگہ کسی لفظ کا جو معنی مراد لیا گیا ہو وہ قرآن کے کسی دوسرے مقام کے منافی نہ ہو۔

انہوں نے اپنا دعویٰ یوں پیش کیا:

> ''قرآن کریم کے سمجھنے کے لیے دو اصولی تقاضے بنیادی ہیں، یعنی محاورۂ عرب اور تصریفِ آیات۔ قرآن کریم نے خود تصریح کی ہے کہ وہ عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے، لہٰذا اسے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ معلوم اور متعین کیا جائے کہ زمانہ نزولِ قرآن کے عرب، اس کے الفاظ کا مفہوم کیا لیتے تھے۔'' (۶۰)

نصوص کتاب اللہ کے خلاف تفسیر بالرائی

قرآن کی نصوص کے خلاف رائے پیش کرنا حرام ہے۔ ایسی رائے کے بارے میں جونہی معلوم ہو کہ وہ قرآن سے متصادم ہے تو اس کا ترک واجب ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(ا) کسی ایک پیغمبر پر نازل ہونے والی کتاب کو بعض لوگ تورات قرار نہیں دیتے بلکہ انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے تمام صحف کو تورات کہتے ہیں۔ یہ موقف غلام احمد پرویز کا ہے، بلفظہ:

''جسے اب تورات کہا جاتا ہے وہ اس کتاب کا نام نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ تورات مجموعہ ہے ان تمام صحف کا، ان تمام چھوٹی چھوٹی کتابوں کا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ سے پہلے تک کے انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تھیں۔ ان تمام صحف کے مجموعے کو عہد عتیق یا Old Testament کہا جاتا ہے۔ وہ تورات نہیں ہے۔ وہ تو ان انبیاء کی طرف نازل کردہ صحف کا مجموعہ ہے اور اسی کو قرآن نے تورات کہہ کر پکارا ہے۔'' (۶۱)

موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے صحف کا تذکرہ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (۶۲) کے الفاظ سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ ان پر نازل ہونی والی ایک کتاب ہے نہ کہ کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں، موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى اِمَامًا وَّرَحْمَةً (۶۳)

اسی كِتَابُ مُوْسٰى کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى (۶۴)

جس کتاب کو لے کر موسیٰ علیہ السلام آئے تھے اسی کتاب کو تورات کہا گیا ہے اور تورات کی نسبت بجز موسیٰ علیہ السلام کے کسی اور پیغمبر کی طرف نہیں کی گئی۔ احادیث میں توراۃ کے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے کی صراحت موجود ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں سے روز قیامت کہیں گے:

ائتوا موسی عبدا کلمه الله واعطاه التوراة (۶۵)

''موسیٰ کے پاس چلو جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تھا اور انہیں تورات دی تھی۔''

ایک حدیث میں اتاه الله التوراة (۶۶) (اللہ نے ان کو تورات عطا کی) کے الفاظ ہیں۔

حدیث رسول احتج ادم و موسیٰ میں آدم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

یا موسی اصطفاك الله برسالته وبكلامه وانزل عليك التوراة (۶۷)

''اے موسیٰ اللہ نے آپ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے چنا ہے اور آپ پر توراۃ نازل کی ہے۔''

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی جانے والی کتاب کا نام ہی توراۃ ہے، نیز مذکورہ بالا احادیث قرآن کے 'خلاف' بھی نہیں لہٰذا منکرینِ حدیث کے ہاں بھی مسلّم ہونی چاہئیں۔

(۲) حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دی گئی تو انہوں نے کہا:

رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا (۶۸)

''کہا: میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں انتہائی بوڑھا ہو چکا ہوں۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد ہونے میں دو رکاوٹیں تھیں' ایک بیوی کا بانجھ پن اور دوسرا خاوند کا بڑھاپا جبکہ ان کی اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو یحییٰ نامی بیٹا عطا کیا۔ پرویز صاحب زکریا علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ تو ٹھیک تھے، بیوی میں کوئی طبعی نقص تھا، بیوی میں کوئی بیماری تھی، بلفظہ:

''یہ کہا کہ اس کی بیوی میں کوئی نقص تھا، اصل میں طبعی نقص تھا، کوئی بیماری تھی تو اس کا علاج ہوا، وہ بیماری دور ہوگئی، وہ اولاد کے قابل ہوگئی یعنی اس طرح وَ اَصْلَحْنَالَهٗ زَوْجَهٗ (۲۱: ۹۰) کیا عجیب لفظ ہیں! لہ کے معنی اس کے لیے یعنی وہ تو ٹھیک تھا اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت تھی تو بیوی میں کوئی بیماری تھی۔ اصلحنا کا لفظ بتا رہا ہے کہ وہ نقص دور ہو گیا اور وہ اس قابل ہوگئی کہ آگے اولاد پیدا کر سکے۔'' (۶۹)

یہ سارا ہیر پھیر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کو معجزہ تسلیم نہ کرنا پڑے۔ زکریا علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت تھی، غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو زکریا علیہ السلام اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا (۷۰) اور قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (۷۱) کیوں کہتے! پھر ان کا اَنّٰی یَکُوْنَ لِیْ غُلٰمٌ کہنا اور اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً (۷۲) کہنا یعنی نشانی طلب کرنا بھی اس حقیقت کا عکاس ہے کہ زکریا علیہ السلام میں اس وقت اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی مگر اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(۳) آیات قرآنیہ کی روشنی میں غلام احمد پرویز نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ''نکاح کی عمر جوانی ہے جب تک لڑکی اور لڑکا جوان نہ ہو جائیں، قرآن کی رو سے وہ نکاح کی عمر کو نہیں پہنچتے۔ چنانچہ کم سنی میں نکاح نہیں ہو سکتا۔'' (۷۳)

یہاں آیات قرآنیہ سے وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (۷۴) اور وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ (۷۵) مراد ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں مضبوطی سن بلوغت کے بعد ہی آتی ہے۔جبکہ عقل کی پختگی تو جوان ہونے کے بہت بعد میں آتی ہے۔ نکاح کی عمومی عمر بلوغت ہی ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کم سنی میں نکاح منعقد ہی نہیں کیا جا سکتا۔فقہاء خیار بلوغ کے قائل ہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے نابالغ کا عقد النکاح ہوسکتا ہے۔ یہ کہنا کہ کم سنی میں نکاح نہیں ہوسکتا نظائر قرآنی اور حدیث وسنت کے خلاف ہے۔قرآن مجید میں ایسی عورتوں کی عدت کا بیان بھی موجود ہے جنہیں ایام ماہواری نہیں آتے۔ جو کم سنی کے نکاح کے جواز کی دلیل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ(۷۶)

’’اورتمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہوچکی ہوں اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہوتو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل تک ہے۔‘‘

وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ کے الفاظ صغر سنی کے منعقدہ نکاح کے جواز کی دلیل ہیں۔

(۴) نجی یا ذاتی ملکیت (Private Property) ادارہ طلوع اسلام کے نزدیک جائز نہیں۔نجی ملکیت کی نفی کے لیے وہ اس آیت کریمہ سے بھی استدلال کرتے ہیں:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ(۷۷)

العفو کے معنیٰ ’حاجت سے زائد چیز‘ کے بارے میں حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

’’اس معنی کے اعتبار سے یہ اخلاقی ہدایت ہے، یا پھر یہ حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا جس پر فرضیت زکوٰۃ کے بعد عمل ضروری نہیں رہا، تاہم افضل ضرور ہے، یا اس کے معنی ہیں: ما سهل و تيسر ولم يشق على القلب (فتح القدیر) ’’جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر شاق (گراں) نہ گزرے۔اسلام نے یقیناً انفاق کی بڑی ترغیب دی ہے لیکن یہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے کہ ایک تو اپنے زیر کفالت افراد کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے، دوسرے اس طرح خرچ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ کل کو تمہیں یا تمہارے اہل خاندان کو دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنا پڑے۔‘‘(۷۸)

العفو کے لفظ سے غلام احمد پرویز پرائیویٹ پراپرٹی کی نفی کرتے ہیں۔اپنے ’’نظام ربوبیت‘‘ کے بارے میں لکھتے ہیں: ’’اس نظام میں ذاتی ملکیت کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ **العفو** (ضروریات سے فاضل) بطور

امانت' فرد متعلقہ کی تحویل میں رہ سکتا ہے۔'' (۷۹)

''اس قل العفو کے فیصلہ نے اس مسئلہ کو ہمیشہ کے لیے طے کر کے رکھ دیا، اس سے کسی کے پاس فاضلہ دولت نہ رہی، جب کسی کے پاس فاضلہ دولت نہ رہی تو معاشی ناہمواریوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی تمام خرابیوں اور تباہیوں کا خاتمہ ہو گیا۔'' (۸۰)

''اگر تم سچ مچ پاکستانی معاشرہ میں مساوات محمدی لانا چاہتے ہو تو بلا توقف العفو کو صورت عمل میں لاؤ، کسی کے پاس، قرآنی پیمانوں کے مطابق، جائز ضرورت سے زائد دولت نہ رہنے دو۔'' (۸۱)

نظام سرمایہ داری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قرآن کریم نے نظام سرمایہ داری کے ختم کرنے کے سلسلے میں کہا تھا کہ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ اے رسول! تجھ سے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم اپنی کمائی میں سے کس قدر، دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دیں، قُلِ الْعَفْوَ (۲: ۲۱۹) ان سے کہہ دو کہ جس قدر، تمہاری ضروریات سے زائد ہے سب کا سب۔'' (۸۲)

اس آیت کریمہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قُلِ الْعَفْوَ: کہہ دو کہ جس قدر تمہاری ضرورت سے زائد ہے وہ سب کا سب۔ اس طرح قرآن کریم نے فاضلہ دولت (Surplus Money) کا وجود ختم کر دیا جو نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہے۔'' (۸۳)

اسی العفو کا معنی و مفہوم اگر قرآن وسنت کی مجموعی اور کلی تعلیمات کی روشنی میں لیا جائے تو جو نتیجہ غلام احمد پرویز نکالنا چاہتے ہیں وہ نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی بہت سی آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کا ایک حصہ خرچ کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ سب کا سب۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (۸۴)

''ایمان والو! جو مال ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس سے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی، نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (۸۵)

''مومنو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے، اس میں سے

بہتر حصہ خرچ کرو۔"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا(۸٦)

"جب بھی ان سے کہا گیا کہ اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے، اس میں سے کچھ، اللہ کی راہ میں خرچ کرو، تو کفار نے یہی کہا کہ....."

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ(۸۷)

"ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن پر اللہ نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔"

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ(۸۸)

"جو رزق، ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی پر موت آجائے۔"

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ(۸۹)

"(اے نبی!) میرے مومن بندوں کو فرما دو کہ وہ نماز قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے رہیں۔

ان آیات کریمہ میں من تبعیضیہ ہے۔ اسی طرح بہت سی آیات وہ ہیں جن میں وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے الفاظ آئے ہیں۔(۹۰)

ان آیات میں ظاہر ہے، سارا مال خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اگر سارا مال خرچ کرنے کا حکم ہوتو زکوٰۃ کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ زائد از ضرورت دولت پر ہوتی ہے۔

زائد از ضرورت دولت پر اگر اسلامی حکومت قبضہ کرلیتی ہوتی تو غزوہ تبوک میں بعض مسلمانوں کے پاس سامان حرب وضرب، اشیائے خورد ونوش اور متاع سفر کی قلت نہ ہوتی اور نہ بیت المال خستہ حال ہوتا جبکہ قرآن نے یوں نقشہ کھینچا ہے:

وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ(۹۱)

"اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام ہے) کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسوں بہہ رہے تھے۔"

(۵) اسلام میں طلاق کا حق مرد کو دیا گیا ہے اس لیے طلاق دینے کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے۔(۹۲) تعلقات کشیدہ ہونے پر مرد وعورت کی طرف حَکَم (ثالث) بھی مقرر کیے جاسکتے ہیں۔(۹۳)

مگر طلاق دینے کا آخری فیصلہ اور حق پھر بھی مرد کا ہوتا ہے۔مگر پرویز صاحب بلا دلیل اور نسبت طلاق کے خلاف طلاق دینے کا حق مرد کی بجائے عدالت کو تفویض کرتے ہیں (تاکہ مساوات مرد و زن کی راہ ہموار کی جائے) لکھتے ہیں: ''اگر ثالثوں کی کوشش سے ان میں موافقت کی صورت نکل آئے تو بہت اچھا ہے۔لیکن اگر وہ اپنی کوشش میں ناکام رہیں تو ظاہر ہے کہ انہیں اس معاملہ کی رپورٹ اس نظام یا عدالت کے پاس بھیجنی ہوگی جس نے انہیں ثالث مقرر کیا تھا۔ وہ عدالت اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ فریقین میں طلاق ہو جانی چاہیے۔''(۹۴)

جبکہ قرآن مجید طلاق کی نسبت شوہر کی طرف کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ(۹۵)

''تو اگر وہ (خاوند) اس (عورت) کو (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس (پہلے شوہر) کے لیے حلال نہ ہوگی۔''

اس آیت کریمہ میں طلّق واحد مذکر غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔لہٰذا طلاق دینے کی اتھارٹی بھی وہی ہوسکتی ہے۔ ھا ضمیر مونث کے لیے ہے جس پر طلاق کا عمل واقع ہوتا ہے۔

سیاق وسباق سے تعیین معنی کی پاسداری نہ کرنا

سیاق وسباق سے تعیین معنی کے منکرین حدیث بھی قائل ہیں۔ وہ سیاق وسباق سے متشابہات کا معنی متعین کر لینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔(۹۶)

ذو معنی لفظ کے بارے میں از ہر عباس لکھتے ہیں:

''کسی ذو معنی لفظ کا مفہوم ربط کلام، قرائن، سیاق وسباق اور کائناتی مشاہدات کو ملحوظ رکھے بغیر متعین نہیں کیا جائے گا۔''(۹۷)

مگر سیاق وسباق کے حوالے سے عملاً ان لوگوں کا معاملہ بہت کمزور ہے۔مثلاً حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل نے آکر یہ کہا تھا:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ(۹۸) ''میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔''

غلام احمد پرویز یہاں رب سے رب نہیں بلکہ مربی مراد لیتے ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے اس لفظ کے استعمال رب البیت اور رب المال وغیرہ کا سہارا لیا ہے۔(۹۹)

سیاق وسباق کو اگر مدنظر رکھا جائے تو یہاں رب سے مراد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بھیجے جانے والے کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے فَاَرْسَلْنَآ (۱۰۰) (ہم نے بھیجا) کا لفظ بولا جس سے بھیجنے والا معلوم ہوجاتا ہے۔ پھر بھیجا ہوا کہتا ہے:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (۱۰۱)

جب حضرت مریم نے حیرانگی کا اظہار کیا تو بھیجے ہوئے نے کہا:

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا (۱۰۲)

اب ظاہر ہے یہاں رب سے مراد وہی بھیجنے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ مزید تاکید لفظ نجعل اور رحمة منا میں منا کے لفظ سے ہوتی ہے۔ پھر یہ بات قرآن سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اولاد دینا کسی پیغمبر یا فرشتے کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ (۱۰۳)

''جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ تو جاننے والا اور قدرت والا ہے۔''

قاب قوسین (دو کمانوں کا فاصلہ) کے الفاظ جو معراج النبی کے تذکرے میں آئے ہیں ان کو سیاق وسباق سے کاٹ کر غلام احمد پرویز اسے دو شخصوں کا معاہدہ قرار دیتے ہیں۔ (۱۰۴) مکی سورۃ 'النجم' میں آنے والے الفاظ کو انہوں نے غزوہ بدر (۲ھ) کے تذکرے میں فٹ کیا ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (۱۰۵) آیت ذکر کرنے کے بعد وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (۱۰۶) کو قاب قوسین کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔ (۱۰۷) جس کی سیاق وسباق سے کوئی مطابقت نہیں۔

ایمائیت (Suggestiveness) کے سہارے پر بھی بہت سے مقامات پر پرویز صاحب نے سیاق وسباق کو نظر انداز کیا ہے۔ قیامت کے بارے میں آنے والی اکثر آیات کو انہوں نے دنیوی انقلابات وغیرہ کی تفصیل پر منطبق کر دیا ہے۔ اصحاب الکھف کے بارے میں آنے والے فرمان الٰہی ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ (۱۰۸) میں بعث سے مراد ان کے نزدیک اصحاب کہف کا (Underground) چلے جانے کے بعد آزادی میں رکاوٹ بننے والی زنجیروں کو اٹھانا ہے۔ بلفظہ: یہاں بعث کا لفظ ہے۔ سبحان اللہ! ہمارے ہاں تو ''بعث بعد الموت'' پہلے ہی کہا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد کھڑا ہوگا۔ یہ لفظ جو ''ب ع ث'' سے ہے، اس کے بارے میں پہلے بھی یہ بات آئی ہے کہ

بعث کا معنی ہی یہ ہوتا ہے کہ ''وہ زنجیریں جو کسی کے ہاں آزادی کے راستے میں رکاوٹ ہوں، ان کو اٹھا لیا جائے تو اسے عربی میں بعث کہتے ہیں۔'' میں نے کہا تھا کہ یہ جو عراق کی بعث پارٹی ہے اس کا نام بعث پارٹی کیوں ہے؟ یہ Freedom Movement والی بات ہے۔ یہ لفظ ہی Freedom کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کہا: ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ (۱۲:۱۸) پھر نوجوانوں کے راستے میں جو رکاوٹیں حائل تھیں، وہ اٹھ گئیں۔''(۱۰۹)

حالانکہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا (۱۱۰) کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر اس سیاق میں ان کے فوت ہونے اور ان پر عبادت خانہ بنانے کا بیان ہے۔(۱۱۱)

اس سب کے باوجود پرویز صاحب نے لفظ الساعة کو انقلاب پر فٹ کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے مفہوم میں دور کی کوڑی لاتے ہیں:

''ہم نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ لوگ ان کے حال سے مطلع ہو گئے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے گم گشتہ لیڈر زندہ ہیں۔ اور خدا نے جو وعدہ کیا تھا پورا ہو چکا، وہ انقلاب جس کے لیے انہوں نے آواز بلند کی تھی، وہ بلاشبہ آ چکا۔'' (۱۱۲)

''ان کے گم گشتہ لیڈر'' کا اشارہ تک بھی کسی لفظ میں موجود نہیں مگر پرویز ہیں جو جی میں آتا ہے منہ سے پھینکتے چلے جاتے ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (۱۱۳) آیت کریمہ، جو خاندانی زندگی (Family Life) سے متعلق ہے، پرویز صاحب کے لیے کافی پریشان کن رہی، سیاق وسباق کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت میں میاں بیوی کے متعلق بات نہیں ہو رہی، الرجال (عام مردوں اور النساء (عام عورتوں) کے متعلق بات ہو رہی ہے اس لیے یہاں گفتگو یہ ہے کہ معاشرہ میں مردوں اور عورتوں کے فرائض مفروضہ کیا ہیں؟''(۱۱۴)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''یہاں گفتگو میاں بیوی کے متعلق نہیں ہو رہی، عام مردوں اور عورتوں کے فرائض کے متعلق ہو رہی ہے۔'' (۱۱۵)

اس آیت کریمہ کو عام مردوں اور عورتوں سے متعلق ماننا سیاق آیت کے صریح خلاف ہے۔ آیت زیر بحث میں اور اس لفظ سے پہلے وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ (ان کو خواب گاہوں میں چھوڑ دو) کے الفاظ تو واضح

طور پر اس آیت کے خاوند و بیوی کے بارے میں ہونے کو بیان کرتے ہیں۔ **المضاجع** کا لفظ قابل غور ہے۔ پھر آیت کے آخر میں **فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ** کے الفاظ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہاں میاں بیوی کا بیان ہی ہو رہا ہے کیونکہ عام عورتوں کو عام مردوں کی اطاعت کا حکم قرآن نے نہیں دیا اور نہ اس کا کوئی قائل ہی ہے۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ اس آیت کریمہ کے متصل بعد اللہ تعالیٰ ضمائر کو **الرجال** اور **النساء** کی طرف لوٹاتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا (۱۱۶)

''اگر تمہیں معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔''

یہاں **بینهما، اهله، اهلها** اور **یریدا** کے الفاظ واشگاف انداز میں بتا رہے ہیں کہ پیچھے بیان خاوند اور بیوی کا ہی ہو رہا تھا۔ یہاں پرویز کا سیاق وسباق کو نظر انداز کرنا پوری طرح واضح ہو رہا ہے۔

سیاق وسباق کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے پرویز صاحب کو پریشانی بھی لاحق ہوئی نیز اس طرح کچھ الفاظ قرآنیہ زائد قرار پائے مثلاً **اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ** (۱۱۷) سے مراد لیتے ہیں:

''معاشرہ میں مردوں کے ذمہ یہ فریضہ ہے کہ وہ اکتساب رزق کریں کہ اس لیے کہ **بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** (۱۱۸) اس آیت کے بارے میں یہ بھی لکھتے ہیں:

اس لیے مردوں کا کمایا ہوا رزق عورتوں کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ **بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ** (۳۴:۴) اس سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوتی جائیں گی اور ان کی صلاحیتیں نشوونما پائیں گی۔'' (۱۱۹)

''مردوں کا کمایا ہوا رزق عورتوں کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے'' اور ''اس سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوتی جائیں گی'' میں کیا فرق ہے؟ حالانکہ آیت کے دومختلف حصوں کا مفہوم پرویز صاحب نے بیان کیا ہے۔ اس طرح **وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ** (۱۲۰) کے الفاظ زائد اور فضول قرار پاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

''معاشرے کے عذاب جہنم'' کے بارے میں غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

''جب کسی معاشرے کی خرابیاں اس حد تک عام ہو چکی ہوں تو ان کا انفرادی علاج ہوا ہی نہیں کرتا۔ اس کا علاج پورے کے پورے معاشرے کو بدل دینے سے ہوسکتا ہے۔ وہی چیز جسے **تُبَدَّلُ**

الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ (۱۴:۴۸) سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اس زمین کو بدل دیا جائے۔ اس آسمان کو بدل دیا جائے۔" (۱۲۱)

قیامت اور روز جزاء سے متعلقہ آیات کو سیاق وسباق سے کاٹ کر معاشرے کی کلی تبدیلی پر اس کا انطباق کیا گیا ہے' حالانکہ تبدل الارض سے پہلے یوم کا لفظ موجود ہے جو روز آخرت کے بارے میں ہے۔ پھر زیر بحث اور اس سیاق کی بعد کی آیات دنیا سے متعلق ہو ہی نہیں سکتیں۔ بالخصوص اللہ تعالیٰ کے حضور اٹھ کھڑے ہونے' گندھک کے کرتے پہنائے جانا اور مونہوں پر آگ کا چھا جانا تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ کو دنیا سے متعلق ہونے سے ابا کرتا ہے۔ آیات کا سیاق ملاحظہ کیجیے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (۱۲۲)

مصوری کے جواز کے لیے منکرین حدیث آیت کریمہ (جو جنوں کے عمل کو ظاہر کرتی ہے) يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ (۱۲۳) میں آنے والے لفظ تماثیل کو دلیل بناتے ہیں "نادرہ کار صناعوں" کے بارے میں غلام احمد پرویز لکھتے ہیں کہ وہ "حضرت سلیمان کی منشاء کے مطابق، ان کے لیے بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے تھے اور ان میں مجسمے تراشتے یا تصاویر بناتے تھے۔ (۱۲۴)

ایک تو پرویز صاحب نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے محاریب کا معنی 'محل' لکھا جو کہ غلط ہے، اگر اس کے حروف اصلیہ (Root) "حرب" پر بھی غور کر لیا جاتا تو معنی واضح تھا یعنی اس سے مراد قلعے ہیں' اب محاریب (قلعوں) کے بعد لفظ تماثیل ظاہر ہے اس سے مراد وہ تصاویر نہیں ہو سکتیں جو محلات میں سجائی جاتی ہیں۔ پھر پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ "ان میں" مجسمے تراشتے بھی غلط ہے کیونکہ "ان میں" کا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں۔ تماثیل کے بعد آنے والے الفاظ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (۱۲۵) (بڑے حوضوں کے مانند پیالے اور بھاری بھاری دیگیں) بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اس سیاق وسباق میں تماثیل سے مراد جنگ سے متعلقہ نقشے ہیں۔ مجسموں اور مورتوں کا کوئی بھی فائدہ جنگ میں نہیں کہ جس کے لیے "نادرہ کار صناع" کام پر لگانے پڑیں، ہاں نقشوں کی ضرورت ان مقاصد کے لیے ہوتی ہے، جس کے لیے یہاں تماثیل کا لفظ آیا ہے۔

"جنتی معاشرہ کی عورتوں" قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ (۱۲۶) کے بارے میں پرویز لکھتے ہیں: "انہی کے متعلق جنتی معاشرہ میں کہا ہے کہ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (۵۵:۵۶) انہیں ان کے خاوندوں سے پہلے، اپنوں اور بے گانوں میں سے کسی نے چھوا تک نہیں ہوگا۔ وہاں ہر نوجوان کو جو کسی جگہ شادی کرنا چاہے گا، دل کا پورا

اطمینان ہوگا کہ اس کی منگیتر کو کسی دوسرے کا ہاتھ تک نہیں لگا۔ کتنا بڑا ہے یہ اطمینان جو کسی شادی کرنے والے پاک باز انسان کو حاصل ہوجائے۔ انہی بیگمات کو قرآن نے عالی مرتبت، بلند پایہ خواتین کہہ کر پکارا ہے۔ سورۂ واقعہ میں جو وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (۵۶:۳۴) آیا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں۔ قرآن نے بتایا ہے کہ عہد جہالت میں پرورش یافتہ عورت کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑی جذباتی ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ متنازعہ فیہ معاملہ میں اپنے دعویٰ (Case) کو اچھی طرح بیان نہیں کرسکتی۔ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ (۴۳:۱۸) لیکن قرآنی معاشرہ میں یہی عورت مناسب تعلیم و تربیت سے یکسر نئی مخلوق بن جائے گی۔ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (۵۶:۳۵۔۳۶) اور نہایت فصیح البیان ہوجائے گی۔'' (۱۲۷)

اس عبارت میں انس و جان سے اپنے اور بیگانے، فرش مرفوعة سے عالی مرتبت، بلند پایہ خواتین اور ابکار سے نہایت فصیح البیان مراد لینا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں، سیاق وسباق اس مفہوم کی تائید نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ دور از کار لغوی تاویلات بھی اس مفہوم کا ساتھ نہیں دیتیں۔ مگر ''مفکر قرآن'' نے پھر بھی اپنی بات کو قرآن کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا کہ قرآن نے بتایا ہے کہ عہد جہالت میں پرورش یافتہ عورت کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑی جذباتی ہوتی ہے......

''عہد جہالت'' کو مطلب برآری کے لیے مفہوم میں خود شامل کیا گیا ہے۔

پرویز صاحب سیاق وسباق کو نظر انداز کرتے ہوئے اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں:

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱۲۸)

''(تمثیلی انداز میں بنی اسرائیل کی غلامی کے سو سالہ دور کو یوں سمجھو کہ) ایک شخص کا گزر ایک بستی پر ہوا۔ جس کے مکانات مسمار ہوکر کھنڈر بن چکے تھے۔ اس نے کہا کیا اس قسم کی ویران بستی کو اس کی موت کے بعد پھر سے زندگی مل سکتی ہے؟'' اللہ نے ایک سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور اس کے بعد اسے دوبارہ زندگی عطا کردی۔ اس سے پوچھا گیا بھلا تم کتنی مدت اس حالت میں رہے ہو؟ اس نے کہا۔ بس ایک آدھ دن۔ اللہ نے کہا تم سو سال تک اس حالت میں رہے ہو بایں

ہمہ دیکھو۔تمہارا کھانا اور پانی تک خراب نہیں ہوا۔اسی طرح تمہارا گدھا بھی ویسے کا ویسا کھڑا ہے۔یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے اس بات کی نشانی بن جاؤ کہ قوانین خداوندی کی رو سے مردہ اقوام کو بھی زندگی مل سکتی ہے۔کیا تم جنین کی حالت پر غور نہیں کرتے کہ ہم خون کے لوتھڑے سے کس طرح ہڈیاں ابھارتے ہیں۔پھر ان پر گوشت پوست چڑھا کر انہیں ایک جیتا جاگتا بچہ بنا دیتے ہیں۔جب اس مثال کے ذریعے سے اس پر بات واضح ہوگئی تو اس نے کہا کہ ہاں اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں اور ان پر اس کا پورا پورا کنٹرول ہے موت اور حیات کے فیصلے بھی انہی پیمانوں کے مطابق ہوتے ہیں۔''(۱۲۹)

اس اقتباس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

''آپ اقتباس بالا پڑھ کر بتایئے کہ موت وحیات کا وہ کونسا مقررہ پیمانہ ہے جس کی رو سے گدھے کا مالک تو سو سال مرا پڑا رہے اور گدھا ویسے کا ویسا کھڑا رہے؟ نیز وہ کونسا مقررہ پیمانہ ہے جس کی رو سے کھانا اور پانی ایک سو سال تک کھلے میدان میں پڑا رہنے کے باوجود خراب نہیں ہوتا؟ بات گدھے کی ہو رہی تھی۔پرویز صاحب نے درمیان میں جنین کا ذکر کر کے پہلے لوتھڑے سے ہڈیوں کا بے محل ذکر شروع کر دیا۔پھر ہڈیوں پر گوشت پوست پہنانا شرع کر دیا۔جس کا آیت کے سیاق وسباق سے چنداں تعلق نہیں۔سرسید صاحب نے اس واقعہ کو خواب کا واقعہ قرار دیا ہے۔پرویز صاحب اس واقعہ کو تمثیلی داستان بتا رہے ہیں۔اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ کہتے وقت سرسید صاحب نے اس سوئے ہوئے آدمی کو جگا لیا تھا۔پرویز صاحب مقرر پیمانے اور کنٹرول بتانے لگے ہیں جن کے مطابق ان کا اپنا بیان بھی پورا نہیں اترتا۔''(۱۳۰)

اگر پرویز آیت کے سیاق وسباق پر غور کرتے تو گدھے کے بارے میں یہ نہ کہتے کہ ''گدھا بھی ویسے کا ویسا کھڑا ہے۔'' بالخصوص جب فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ کہہ کر لَمْ يَتَسَنَّهْ سے کھانے کی حالت بیان کی گئی تو انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ کے بعد انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا کا بیان بھی جنین کی حالت کا نہیں بلکہ گدھے کی حالت کا ہے۔جنین کی حالت مراد لینا سیاق وسباق کے صریح خلاف ہے۔

خلاصۂ بحث

غلام احمد پرویز نے اپنی کتب میں قرآن مجید سے معنی ومفہوم متعین کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔وہ قرآن مجید کی کلی تعلیم سے مفہوم متعین کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔کبھی اس کو قرآن کی مجموعی تعلیم، کبھی کلی اور کبھی

تصریف آیات کا نام دیتے ہیں۔ اور کبھی سیاق وسباق سے معانی کو متعین کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ مگر انہوں نے ان اصول کو اپنے نظریے کے تابع رکھ کر استعمال کیا ہے، اور بہت سے مقامات پر ان قواعد کی مخالفت بھی کی ہے۔ شروع شروع میں غلام احمد پرویز نے جو الفاظ کے معانی بیان کیے تھے بعد میں خود ان کی مخالفت کی جس سے ان کے خارزار تضادات کی وسعت کا اندازہ قارئین بھی کر سکتے ہیں، نیز غلام احمد پرویز نے الفاظ کے وہ معانی اختیار کیے جمہور ائمہ امت کے بیان کردہ معانی کے خلاف ہیں، پرویز کے بیان کردہ بہت سے معانی کی تردید خود قرآن سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ اس تحقیق میں واضح کیا گیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ازہر عباس، خواجہ: قرآن فہمی کے قرآنی قوانین، دوست ایسوسی ایٹس، الکریم مارکیٹ ،اردو بازار لاہور، ط: ۲۰۰۳ء، ص: ۷

(۲) پرویز، غلام احمد: تفسیر مطالب الفرقان، ادارہ طلوع اسلام، ۲۵ بی، گلبرگ لاہور، ط:۱، ۵۵/۶

(۳) ال عمرٰن: ۱۷/۳

(۴) پرویز، غلام احمد: مطالب القرآن فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل)، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی، گلبرگ، لاہور ط:۱، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۲۲۔۳۲۳

(۵) الذّٰریٰت: ۵۱/ ۱۷۔۱۸

(۶) المزمل: ۲/۷۳

(۷) المزمل: ۶/۷۳

(۸) المزمل: ۲۰/۷۳

(۹) الاسراء: ۷۹/۱۷

(۱۰) الفرقان: ۶۴/۲۵

(۱۱) یوسف: ۲۹/۱۲

(۱۲) ال عمرٰن: ۱۳۵/۳

(۱۳) الزمر:۵۳/۳۹

(۱۴) الاحزاب:۷۱/۳۳، الصف:۱۲/۶۱

(۱۵) المؤمن:۳/۴۰

(۱۶) نوح:۱۰/۷۱

(۱۷) المؤمن:۶۰/۴۰

(۱۸) التوبۃ:۸۰/۹

(۱۹) المؤمن:۷/۴۰

(۲۰) المؤمن:۳/۴۰

(۲۱) فاطر:۳۰/۳۵

(۲۲) یونس:۱۰/ ۱۰۷

(۲۳) ابرھیم: ۴۱/۱۴

(۲۴) الشعراء:۸۲/۲۶

(۲۵) البقرۃ:۲۸۶/۲

(۲۶) الراغب الاصفھانی،الحسین بن محمد،: مفردات القرآن،محمدعبدہ الفلاح(مترجم)،المکتبۃ القاسمیۃ، چوک دالگراں لاہور،ص:۶۸۹، ۶۷۰

(۲۷) التوبۃ:۱۱۴/۹

(۲۸) اللہ! اسے قیامت کے دن بخش دینا جہنم میں نہ بھیجنا۔

(۲۹) پرویز،غلام احمد،: مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف و مریم)، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی،گلبرگ، لاہور،،ط:۱،۲۰۰۴ء ص:۳۴۹

(۳۰) مریم:۱۹/ ۴۷

(۳۱) الشعراء:۸۶/۲۶

(۳۲) ابرھیم: ۴۱/۱۴

(۳۳) الممتحنۃ:۴/۶۰

(۳۴) التوبۃ:۱۱۴/۹

(۳۵) التوبۃ:۱۱۳/۹

(۳۶) التوبۃ:۶/۹

(۳۷) مریم:۱۹/ ۴۷

(۳۸) مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف ومریم)،ص:۳۴۹

(۳۹) ایضاً،ص:۳۴۸

(۴۰) القمر: ۵۴/۳۴

(۴۱) ایضا/ ۳۸

(۴۲) الحجر: ۱۵/ ۶۵

(۴۳) ایضاً/ ۶۶

(۴۴) ایضاً/۷۳

(۴۵) ھود:۱۱/ ۸۱

(۴۶) پرویز، غلام احمد: لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی،گلبرگ، لاہور، ط:۱، ۳/ ۳۳۶

(۴۷) مریم:۱۹/ ۲۷۔۲۸

(۴۸) مطالب القرآن فی دروس الفرقان: (سورۃ الکھف وسورۃ مریم)ص:۲۸۴

(۴۹) مریم:۱۹/ ۲۰

(۵۰) تفسیر مطالب الفرقان۴/ ۹۹

(۵۱) لغات القرآن۳/ ۳۳۵

(۵۲) تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو تسلیم نہ کرنا پڑے اور یوسف نجار کو عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ثابت کیا جا سکے۔

(۵۳) تفسیر مطالب الفرقان۴/ ۷۵

(۵۴) مطالب القرآن فی دروس الفرقان: (سورۃ الکھف ومریم)ص ۴۲۰

(۵۵) الکہف:۱۸/ ۵۰

(۵۶) الحجر:۱۵/ ۲۷، نیز دیکھئے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ (الرحمٰن:۵۵/ ۱۵)

(۵۷) ص: ۳۸/ ۷۶

(۵۸) الجن: ۷۲/ ۱۱

(۵۹) ایضاً/ ۱۴

(۶۰) طلوع اسلام،ص: ۱۷، جولائی ۱۹۷۴ء، طلوع اسلام ٹرسٹ، ۲۵بی،گلبرگ، لاہور

(۶۱) مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل)،ص:۷۶

(۶۲) الاعلی: ۸۷/ ۱۹

(۶۳) الاحقاف: ۴۶/ ۱۲

(۶۴) الانعام: ۶/ ۹۱

(۶۵) بخا ری،محمدبن اسماعیل،الامام: صحیح بخاری، کتاب التفسیر ۶۵، سورۃ البقرۃ :۲، باب ۱، ح: ۴۴۷۶، مکتبہ اسلامیہ،غزنی سٹریٹ،اردو بازار، لاہور

(۶۶) ایضاً کتاب التوحید والرد علی الجھمیۃ وغیر ھم ۹۸، باب ۱۹، ح: ۷۴۱۰، نیز دیکھیے مسند احمد ۳/ ۱۱۶، ۲۴۴،

(۶۷) احمد، بن حنبل، الامام، المسند، دارالفکر، بیروت، ۲/ ۲۶۸، نیز دیکھیے وانزل علیك التوراۃ ۲/ ۳۹۲، ۴۴۸، ۴۴۶۔

(۶۸) مریم: ۱۹/ ۸

(۶۹) مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف ومریم)، ص: ۲۲۷

(۷۰) مریم: ۱۹/ ۴

(۷۱) مریم: ۱۹/ ۸

(۷۲) ایضاً/ ۱۰

(۷۳) طاہرہ کے نام خطوط، ص: ۱۷۶

(۷۴) النساء: ۴/ ۶ ''اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں مصروف رکھو پھر (بلوغ پر) اگر عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔''

(۷۵) الانعام: ۶/ ۱۵۲، الاسراء: ۱۷/ ۳۴ ''اور یتیم کے مال کے قریب تک نہ جاؤ بجز احسن طریقہ کے تا آنکہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے۔''

(۷۶) الطلاق: ۶۵/ ۴

(۷۷) البقرۃ: ۲/ ۲۱۹

(۷۸) صلاح الدین یوسف، حافظ: تفسیر احسن البیان، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ، ص: ۸۹

(۷۹) ماہنامہ طلوع اسلام ص: ۱۴، مارچ ۱۹۵۰ء

(۸۰) ایضاً ص: ۳۴، نومبر ۱۹۶۹ء

(۸۱) ایضاً ص: ۳۸، مارچ ۱۹۷۶ء

(۸۲) ایضاً ص: ۵۱، مئی ۱۹۷۸

(۸۳) ماہنامہ طلوع اسلام، ص: ۴۶، مارچ ۱۹۷۹ء

(۸۴) البقرۃ: ۲/ ۲۵۴

(۸۵) البقرۃ: ۲/ ۲۶۷

(۸۶) یس:۳۶/ ۴۷

(۸۷) الحدید:۵۷/ ۷

(۸۸) المنٰفقون:٦٣/ ١٠

(۸۹) ابرٰھیم:١٤/ ٣١

(۹۰) دیکھیے الانفال:۸/۲،الحج:۲۲/ ۳۵،القصص:۲۸/ ۵۴،السجدۃ:۳۲/۱۶،الشوریٰ:۴۲/ ۳۸

(۹۱) التوبۃ:۹/۹۲

(۹۲) جیسا کہ ﴿طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (البقرۃ:۲/ ۲۳۱۔۲۳۲، ۲۳۶، الطلاق:٦٥/١)، ﴿طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾ (الطلاق:٦٥/ ۱، الاحزاب: ۳۳/۴۹)، ﴿طَلَّقَكُنَّ﴾ (التحریم: ٦٦/ ٥) ﴿طَلَّقَهَا﴾ (البقرۃ:۲/ ۲۳۰)، ﴿فَطَلِّقُوهُنَّ﴾ (الطلاق:٦٥/١) اور ﴿اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۷) وغیرہ آیات میں مذکر کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں، اسی مفہوم کی اور بھی آیات ہیں مثلاً ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (ایضا/۲۳۱)

(۹۳) النساء:۴/ ۳۵

(۹۴) پرویز، غلام احمد: طاہرہ کے نام خطوط کا مجموعہ، طلوعِ اسلام ٹرسٹ ۲۵۔ بی، گلبرگ نمبر۲، لاہور، ط: ۱۹۸۹ء، ص: ۱۸۳۔۱۸۴

(۹۵) البقرۃ:۲/ ۲۳۰

(۹۶) دیکھیے قرآن فہمی کے قرآنی قوانین، ص:۴۴۔۴۵

(۹۷) ایضاً، ص:٦٧

(۹۸) مریم:۱۹/ ۱۹

(۹۹) دیکھیے مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف ومریم) ص:۲٦۲

(۱۰۰) مریم:۱۹/ ۱۷

(۱۰۱) مریم:۱۹/ ۱۹

(۱۰۲) مریم:۱۹/ ۲۱

(۱۰۳) الشوریٰ:۴۲/ ۴۹۔۵۰

(۱۰۴) دیکھیے مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف ومریم) ص:۴۰۱

(۱۰۵) الانفال:۸/ ۱۷

(۱۰٦) دیکھیے مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف ومریم) ص:۴۰۱

(۱۰۷) ایضاً ص:۴۰۲

(۱۰۸) الکھف:۱۸/۱۲

(۱۰۹) مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف ومریم) ص:۴۵۔۴۶

(۱۱۰) الکھف:۱۸/ ۲۱

(۱۱۱) مطالب القرآن فی دروس الفرقان (سورۃ الکھف ومریم) ص:۴۵۔۴۶

(۱۱۲) ایضاً،ص:۵۲

(۱۱۳) النساء: ۴/۳۴

(۱۱۴) طاہرہ کے نام خطوط ص:۳۲

(۱۱۵) ایضاً ص:۳۴

(۱۱۶) النساء: ۴/ ۳۵

(۱۱۷) النساء: ۴/۳۴

(۱۱۸) ایضاً

(۱۱۹) طاہرہ کے نام خطوط،ص:۳۲

(۱۲۰) النساء:۴/۳۴

(۱۲۱) طاہرہ کے نام خطوط،ص:۶۱

(۱۲۲) ابرھیم: ۱۴/ ۴۸۔۵۰

(۱۲۳) سبا: ۳۴/۱۳

(۱۲۴) پرویز،غلام احمد،: آرٹ اور اسلام، ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی،گلبرگ نمبر۲، لاہور،ص:۱۹

(۱۲۵) سبا:۳۴/۱۳

(۱۲۶) الرحمٰن:۵۵/۵۶

(۱۲۷) طاہرہ کے نام خطوط کا مجموعہ،ص:۴۴

(۱۲۸) البقرۃ:۲/ ۲۵۹

(۱۲۹) مفہوم القرآن،ص:۱۰۲

(۱۳۰) کیلانی،عبدالرحمٰن،مولانا،: آئینہ پرویزیت،مکتبۃ السلام،وسن پورہ، لاہور،ص:۸۴۴،۸۴۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆